قانون کی پابندی کے مقدمے کو تنقید و تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کا شرف اولاً اسی کو حاصل ہوا ہے۔

سقراطی طریق میں اشیا اور تصورات کی تعریفوں کی بڑی اہمیت تھی۔ ہم چیزوں کی تعریف کس طرح کرتے ہیں؟ ایک قلم سرکنڈے کا بنا ہوا ہے، اور دوسرا پیتل کا، اور ایک پلاسٹک کا۔ تینوں کو قلم کہتے ہیں، اگرچہ دیکھنے میں، اور اپنے مواد میں وہ مختلف ہیں۔ ان میں کون سی چیز مشترک ہے؟ قلم پن (یا قلم ہونے کی صفت)۔ یہ صفت کوئی مادی چیز نہیں، بلکہ ایک مجرد تصور ہے۔ اس طرح دو خوب صورت چہروں میں جو چیز مشترک ہے، اسے ہم خوب صورتی کہتے ہیں۔ ہم پھول کو، کسی پرندے کو، ایک منظر کو بھی خوب صورت کہتے ہیں۔ ان سب چیزوں میں کون سی چیز مشترک ہے؟ خوب صورتی یا حسن۔ مگر یہ حسّی ادراک میں آنے والی کوئی مادی چیز نہیں، بلکہ ایک مجرد تصور ہے۔

افلاطون اس سے آگے بڑھ کر ایک بات اور کہتا ہے، جس سے مادے کے مقابلے میں غیر مادی تصور کی اہمیت اور حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انفرادی اشیا میں ان کے امتیاز وصفی کم و بیش ہو سکتے ہیں (جیسے ایک پھول، دوسرے پھول کے مقابلے میں کم حسین ہے، یا ایک شخص دوسرے شخص کے مقابلے میں بہتر انسان ہے)۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ انفرادی اشیا متغیر اور فنا پذیر بھی ہیں (ایک پھول آج اتنا حسین نہیں جتنا کل تھا)، مگر حسن فی نفسہ غیر متغیر ہے۔ انفرادی پھول ایک سال بعد (یا ایک ہی ماہ بعد) ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جائے گا، مگر پھول کا تصور "پھول فی نفسہ" باقی رہنے والا ہے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ اس عالم مادی میں (جس کی خبر ہمیں ہمارے حواس دیتے ہیں) ہم جن اشیا کو "موجود" اور "حقیقی" کہتے ہیں، فی الحقیقت ان سے زیادہ، ان اوصاف سے متصف، حقیقتاً موجود یا "حقیقی" ان کے تصورات ہیں۔ یہ سوچ افلاطون کو اس سمت لے گئی کہ یہ دنیا — دنیائے انفرادی اشیا — ایک غیر کامل (imperfect) نقل ہے ایک دوسری (اور اصل) دنیا کی، جو کہ عالم تصورات ہے، جو زیادہ حقیقی اور کامل ہیں۔ یہ دنیا، جس کی خبر ہمیں ہمارے حواس دیتے ہیں، متغیر، فنا پذیر اور ناقص انفرادی اشیا پر مشتمل ہے، جب کہ عالم تصورات، غیر متغیر، باقی اور کامل تصورات سے آباد ہے۔ مگر یہ عالم، حواس کے دائرۂ ادراک سے ماورا ہے، اور صرف ادراک عقل ہی سے اس تک رسائی ہو سکتی ہے۔

کیا فی الواقع افلاطون ایسے کسی عالم کے وجود کا قائل تھا؟ بعد کے تبصرہ نگاروں اور ناقدین نے اس پر بڑی بحثیں کی ہیں۔ خود اس کے شاگرد ارسطو نے اس پر اسی نقطۂ نظر سے تنقید کی۔ مگر اس

کے بعض مکالمات سے پتا چلتا ہے کہ ہم' اور عام لوگ جن معنوں میں "حقیقی" اور "وجود" جیسے لفظوں کا اطلاق کرتے ہیں' افلاطون ان کا اطلاق کچھ دوسرے مفہوم میں کرتا تھا۔ جمہوریہ (The Republic) میں جب سقراط اپنی مثالی ریاست کے خدوخال واضح کرتا اور اس کی صفات بیان کرتا ہے' مثلاً یہ کہ وہ عدل پر قائم ریاست ہوگی' جہاں تمام شہریوں کے بچوں کو یکساں تعلیم و تربیت کے مواقع ہوں گے' اور انھی میں سے مختلف درجات اور صلاحیتوں کی بنا پر کارکن' سپاہی اور حکمران چنے جائیں گے' (کسی' دشوار گزار سفر کے لیے ہم اپنے جہاز کے ناخدا کا انتخاب کس بنیاد پر کریں گے؟ ذات برادری' ہم قبیلہ ہونے' دوستی' یا کسی ذاتی مفاد کی بنا پر یا محض اس کی صلاحیت کی بنا پر؟)۔ اس ریاست میں قانون اور اخلاق فلسفہ کی حکم رانی ہوگی وغیرہ۔ تو گلاءکن نہایت سادگی سے پوچھتا ہے کہ ایسا شہر (ریاست) ہے کہاں؟" کیوں کہ میرا خیال ہے کہ دنیا میں کہیں بھی اس کا وجود نہیں ہے"۔ تو سقراط جواب دیتا ہے: "میرا خیال ہے کہ آسمانوں میں اس کا نقشہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے کہ جو خواہش مند ہو' وہ اس کا ادراک کرلے' اور اس ادراک کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس طرح وہ اپنا گھر درست کرلے گا۔ مگر ایسا ایک شہر (ریاست) حقیقت میں موجود ہے' یا کبھی وجود میں آسکے گا' یہ بات اہم نہیں۔ کیوں کہ ایک ایسا شخص جس نے اس کا (عقلی) ادراک کر لیا' وہ تو اپنی زندگی اسی شہر کے نمونے پر استوار کرے گا' کسی دوسرے (شہر ریاست) سے اس کا تعلق نہ رہے گا"۔

یہ ہے افلاطون کی اس تصوریت کی روح' جسے بہت سے لوگوں نے سمجھا ہی نہیں۔ اس کے تصورات' دراصل مثالیے ہیں' وہ آئیڈیل جن کی طرف نظریں جما دینے سے زندگی مثالیے سے قریب تر ہو سکتی ہے' کیوں کہ وہ کہتا ہے کہ وہ شے زیادہ حقیقی ہے' جو تصور (مثالیے) سے اقرب ہو۔ اور جو اس سے جتنی زیادہ بھی ہوئی یا بعید ہوگی' وہ اتنی ہی غیر حقیقی ہوگی۔ جو شخص مثالی انسان کی زیادہ سے زیادہ صفات کا حامل ہو گا' وہی زیادہ "اصلی" اور حقیقی انسان ہو گا۔ اس طرح انسان بھی کم حقیقی اور زیادہ حقیقی ہوئے۔ علامہ اقبال نے افلاطون پر ظلم کیا' جب انھوں نے اسے کلیتہً اور غیر مشروط طور پر اسلام کے تصورِ حیات کے مقابل کھڑا کر دیا اور کہا کہ اسلام کی زندگی وہ ہے کہ'

حقیقت ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے' نہیں ہے طلسم افلاطوں

اور

منکرِ ہنگامۂ موجود گشت
خالقِ اعیانِ نامشہود گشت

ظاہر ہے کہ افلاطون کی صنمیات اور مثالیوں کی بحث کو لفظاً لفظاً لینا اس پر ظلم کرنا ہے۔ بہرحال، افلاطون نے مغربی فکر میں نام نہاد "حقیقی" کے مقابل میں "مثالی" کو پیش کر کے ایک نئی فکر کی بنیاد ڈالی۔

ارسطو (۳۲۲-۳۸۴ ق م) کو اکثر افلاطون کے مقابل رکھا جاتا ہے۔ اور مغربی فکر کی روح — سائنسی فکر اور سائنسی طریق کار — کا باقاعدہ ناظم تصور کیا جاتا ہے۔[۶] یہ بات جزوی طور پر ہی صحیح ہے۔ اس نے مابعد الطبیعات (یہ لفظ بعد کی ایجاد ہے) کے ساتھ ساتھ طبیعات (زیادہ درست الفاظ میں طبیعی علوم یا مطالعۂ فطرت) پر بھی بہت کچھ لکھا۔ اس نے افلاطون کی بتائی ہوئی انفرادی اشیا اور ان کی اصل کی تقسیم برقرار رکھی (وہ انھیں صُور Forms کا نام دیتا ہے)، تاہم اس نے اس بات پر زور دیا کہ صُور کا اپنا کوئی الگ عالم نہیں، بلکہ وہ انفرادی اشیا ہی میں جاگزیں ہوتی ہیں۔ آپ چاہیں تو انھیں اعیان (Universals) کہہ لیں، اور اگرچہ علم کا صحیح اور حقیقی معروض یہی اعیان ہیں، لیکن چوں کہ انفرادی اشیا (Particulars) کے بغیر ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور انفرادی اشیا کا تعلق اس "عالم مادی" سے ہے، لہٰذا عالمِ مادی کا علم حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ مشاہدے ہی سے ہو سکتا ہے۔

اگرچہ ارسطو کے طریقِ تفتیش و تحقیق کو معروضی سائنسی اور "مشاہداتی" کہا گیا ہے، لیکن اکثر وہ اس سے دور نظر آتا ہے۔ (اس نے دعویٰ کیا کہ عورتوں کے منہ میں مردوں کی بہ نسبت کم دانت ہوتے ہیں، حالاں کہ وہ اپنی بیوی کے دانت گن کر اس غلط فہمی سے بچ سکتا تھا)۔ اس نے پودوں، درختوں، جانوروں، چٹانوں، اجرام سماوی، کیمیا اور میکانیات پر بھی طبع آزمائی کی اور خیال کے گھوڑے دوڑائے، لیکن بعد کی سائنسی تفتیش نے اس کے بیشتر مزعومات کو غلط ہی ثابت کیا۔

مسلمانوں نے ارسطو کو "معلمِ اوّل" کا خطاب دیا۔ رازی (م ۹۲۳) فارابی (م ۹۵۰) اور ابن سینا (م ۱۰۳۷) کے ہاں افلاطون اور نوفلاطونیت کے ساتھ ساتھ ارسطو کی سوچ اور مزعومات کا رنگ بھی واضح طور پر جھلکتا ہے۔ "سائنسی دَور" کے بعض بڑے اساطین نے بھی حیاتیات میں اس کی فکری رسائی کو تسلیم کیا۔ ڈارون بھی اس شعبے میں اس کے مشاہدے اور فکر کی داد دیتا نظر آتا ہے، لیکن ارسطو سائنس کے دوسرے اہم طریق — تجربے — سے بہت دور تھا۔ اسی لیے طبیعات وغیرہ میں — جہاں شرائط و احوال تبدیل کر کے کسی مظہر یا معروض (Object) کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، اور باریک بینی کے ساتھ ناپ تول کی اہمیت ہے — ارسطو کو کوئی خاص مقام نہ ملا۔

اس کے نزدیک کائنات کا مرکز کرۂ ارض تھا، جس کے گرد سارے اجرام سماوی دائرے میں

حرکت کرتے ہیں جب کہ یہ مرکز (زمین) ساکن ہے۔ افلاک ازلی اور ابدی ہیں کیوں کہ تغیر اور فنا عالم تحت القمر ہی کا خاصہ ہے۔ فطری حرکت دوری ہوتی ہے۔ مادہ لافانی ہے اور اس کی چار اقسام آب، آتش، خاک اور ہوا ہیں۔ یہ بھی مادے اور صورت سے مرکب ہیں۔ متضاد صفات کے دو دو جوڑے --- گرم اور سرد، خشک اور مرطوب --- ان بنیادی عناصر کو ترتیب دیتے ہیں۔ مثلاً خاک سرد اور خشک ہے، آتش گرم اور خشک وغیرہ۔

ارسطو ہر شے کے وجود کے لیے اسباب کو ضروری خیال کرتا تھا۔ اس کے نزدیک کوئی بھی چیز جیسی کہ وہ ہے، علل اربعہ کی بنا پر ہے۔ یہ اسباب یہ ہیں: علت مادی، علت صوری، علت فاعلی اور علت غائی۔ ایک قسم کی علت مادی وہ مواد ہے جس سے وہ بنا ہے۔ علت صوری اس کی مخصوص صورت ہے۔ علت فاعلی وہ قوت و مہارت ہے جو اس کے بننے میں صرف ہوئی، اور علت غائی وہ مقصد ہے جس کے لیے وہ وجود میں آئی۔ دنیا کی ساری چیزیں مادی ہیں (بجز مادہ) مگر وہ بغیر صورت کے وجود میں نہیں آ سکتیں۔ اس طرح تمام اشیا مادے اور صورت کے ملاپ ہی سے وجود پاتی ہیں۔ بغیر صورت کے کسی شے کا وجود نہیں مگر صورت خالص (Pure Form) بغیر مادے کے موجود ہے۔ اس صورت خالص ہی کو اللہ کہہ لیں۔ یہ فاعل حقیقی بھی ہے کیونکہ کائنات میں تمام تغیر اور حرکت کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے۔ وہ خود غیر متحرک ہے مگر حرکات دہندہ ہے۔

کائنات و مافیہا کے یہ تصورات تھے جنہیں قرون وسطیٰ میں عیسائی اور بہت سے مسلمان فلاسفہ نے کچھ ترمیم اور تنقیح کے ساتھ اختیار کیا۔ ان میں کہیں مادے اور روح کی ثنویت نظر آتی ہے اور کہیں وجودی احدیت (فلاطینوس م ۲۷۰، محی الدین ابن العربی م ۱۲۴۰، ملا صدر الدین شیرازی م ۱۶۴۱ کے ہاں یہ روحی احدیت ہے یا "وحدت الوجود")۔ یورپ کی جدید فکر کے بانیوں میں یہ ثنویت رینے ڈی کارت (م ۱۶۵۰) کے ہاں، روحی احدیت (روحی وحدت الوجود) ہیگل (۱۸۳۱) کے ہاں اور مادی احدیت ہولباخ (م ۱۷۸۹) کے ہاں بہت واضح انداز میں نظر آتی ہے۔ لیکن انسان شاید بنیادی طور پر "موحد" ہے۔ توحید الٰہ ہو یا "توحید فطرت"، مابعد الطبعیات اور طبعیات دونوں میں ثنویت آہستہ آہستہ پسپا ہوتی چلی گئی۔ اس کائنات میں خدا اور فطرت، مادہ اور روح (یا توانائی) دونوں کے لیے گنجائش نہ تھی کہ ایک اقلیم میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ ابھرتی ہوئی سائنسی فکر نے عالم محسوسات کے حق میں رائے دی اور روح اور مابعد الطبعیات کو اپنے نظام فکر سے خارج کر کے ایک نئی بنیاد رکھی جس میں "حاضر و موجود" کے علاوہ کسی اور حقیقت کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن یہ داستان بھی بڑی تفصیل چاہتی ہے۔ (جاری)